ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 1, (Jan to March2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-I)urdu-08

ماخذ تحقیقی مجلہ

OPEN ACCESS

CC BY NC

لبنیٰ بی بی
سکالر پی ایچ ڈی، مائی یونیورسٹی جاپان روڈ، اسلام آباد
ڈاکٹر نذر خلیق
پروفیسر شعبہ اردو، مائی یونیورسٹی جاپان روڈ، اسلام آباد

سائنس فکشن میں تخلیقی عناصر

Lubna Bibi*
Ph.D Scholar, MY University, Japan Road, Islamabad.
Dr. Nazar Khaleeq
Professor, Department of Urdu, MY University, Japan Road, Islamabad.
***Corresponding Author:**

Iqbal's Position in Urdu Tazmeen-Nigari

This research paper explores the creative and artistic elements within the genre of Science Fiction (SF), primarily through the critical lens of Abid Ali Abid's seminal work, "Asloob". The study posits that science fiction is not merely a collection of dry empirical facts but a sophisticated literary form that relies heavily on fundamental creative pillars such as imagination (Takhyul), metaphors (Istia'ra), and symbolism (Majaz). By analyzing the triad of God, Nature, and Man, the author discusses how SF bridges the gap between scientific inquiry and literary aestheticism. To substantiate this argument, the paper examines three distinct narrative forms: the classical dastan "Abnoos ka Ghora" (The Ebony Horse) from Arabian Nights, Tufail Dhana's modern novel "Clone", and Qurratulain Hyder's short story "Roshni ki Raftar" (Speed of Light). The analysis demonstrates how these works utilize fictional tools like plot, characterization, and dialogue to transform scientific concepts—such as mechanical flight, cloning, and time travel—into compelling human experiences. The paper concludes that the presence of "Takhyul" (Imagination) is the essential catalyst that turns scientific possibilities into high-quality

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 1, (Jan to March2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-I)urdu-08

ماخذ تحقیقی مجلہ

literature, and emphasizes the need for more academic focus on Urdu Science Fiction as a vital creative domain.

Key Words: *Science Fiction, Abid Ali Abid, Creative Elements, Imagination/ Takhiyul, Metaphor and Symbolism, Urdu Fiction, Cloning, Literary Criticism, Time Travel.*

فنی اور تخلیقی عناصر کا جائزہ لیے بغیر سائنس فکشن میں تخلیقی عناصر کو تلاش کرنا دشوار ہے اس لیے سب سے پہلے تخلیقی عناصر کا جائزہ لینا نہایت ضروری ہے۔

عابد علی عابد نہ صرف شاعر تھے اور تخلیق کار تھے بلکہ ایک نقاد بھی تھے انہوں نے اسلوب کے نام سے ایک کتاب تحریر کی جس کے مطالعے سے فن اور تخلیق کے عناصر پر خوب روشنی پڑتی ہے۔ وہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

> "ایک دانشور کا قول ہے کہ کائنات میں انسان تین چیزوں سے آشنا ہے خدا فطرت اور خود انسان کی اپنی ذات۔ بہ ظاہر تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ انسانی معلومات کے دائرے کو بہت محدود کر دیا گیا ہے لیکن غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ کہنے والے نے جو کچھ کہا تھا بہت سوچ کے کہا تھا بعض اخلاقی اور عرفانی مسالک سے قطع نظر خدا کا تصور کسی حیثیت ہی سے صحیح انسانیت سے عام ہے۔ اثبات ذات خداوندی پر جتنی دلیلیں آپ دے سکتے ہیں ان کو باطل کر دیا جائے تو بھی انسان کا ذہن عموماً اس بات سے اجتناب کرتا ہے کہ وہ خدا یا خالق کائنات پر اور اس کی ذات وصفات پر اعتقاد نہ رکھے کانٹ "انتقاد عقل محض" میں یہ دعویٰ کیا کہ عقل محض کا مطلب وہ علم نہیں جو حواس کے مسخ شدہ ذریعوں سے ہم تک پہنچتا ہے عقل محض کا مطلب وہ علم ہے جس کے مآخذ حواس نہیں بلکہ جو تمام تجربات حسی سے ماورا اور مستغنی ہے یہ وہ علم ہے جو ہمیں ذہن کی ساخت اور اس کی داخلی فطرت کی بنا پر حاصل ہوتا ہے کانٹ کے خیال میں خدا کا تصور اس عقل محض کا مرہون منت ہے گویا خدا کا تصور ہمارے ذہن کی ساخت اور اس کی داخلی فطرت میں شامل ہے ارباب تصوف نے بھی حواس خمسہ سے ماورا حواس خمسہ باطنی کا ذکر کیا ہے ان کو کبھی القا کبھی شعور اور کبھی وجدان کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ خدا کا تصور ہماری ذہنی ساخت میں شامل ہے"۔ (۱)

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 1, (Jan to March2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-I)urdu-08

ماخذ تحقیقی مجلہ

اس اقتباس سے پہلی بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ عابد علی عابد کے نزدیک انسان خدا اور فطرت کو سمجھنے کے لیے اس لیے کوشاں رہتا ہے کہ وہ خدا کی ذات سے واقف ہو اور متعارف بھی کرائے اور خدا کی ذات کی جتنی زیادہ تعریف کی جائے وہ عقلی سطح پر بھی معروف ہو سننے والا اور پڑھنے والا اس پر یقین رکھنے پر قائل ہو جائے۔ عابد علی عابد کی اس رائے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دنیا بلکہ کائنات کا تمام عمل دخل دائروں میں بٹا ہوا ہے یعنی خود خدا کی ذات اور اس کی بنائی ہوئی فطرت اور انسان۔

خدا نے اپنی ذات فطرت اور انسان کو اپنے آپ کو ظاہر کرنے کے لیے بنایا ہے۔ اگر ان عناصر پر غور کریں تو انسان کسی نہ کسی حوالے سے اللہ تعالی کی ذات پر فنی اور فکری دونوں سطحوں پر اظہار خیال کرتا رہتا ہے کبھی وہ تخلیق کی صورت میں اور کبھی وہ سائنس کی صورت میں اس کا اظہار کرتا ہے۔

ہر دو صورتیں ایک دوسرے سے منسلک ہیں اور انہی ہر دو صورتوں میں تخلیقی عناصر موجود ہیں جس طرح کے انسان خود ایک تخلیق ہے اسی طرح اس سے تخلیق ہونے والی تخلیقات بھی کچھ عناصر اور کچھ لوازم کا تقاضا کرتی ہیں مثلا تخلیق کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے اس کے لیے تخیل ہو۔ تخیل کے ساتھ ساتھ کچھ فنی عناصر بھی ہیں جو تخلیق کے لیے ضروری ہیں مثلا مجاز تشبیہ استعارہ تصویریت وغیرہ وہ عناصر ہیں جن کے بغیر تخلیق کا پایہ تکمیل کو پہنچنا اس لیے ناممکن ہوتا ہے کہ سب سے پہلے تخیل کی سطح پر کسی بھی تخلیق کو تراشا جاتا ہے اس کے بعد اسے استعارہ تشبیہ اور مجاز کے ذریعے پیش کیا جاتا ہے تاکہ وہ خام مواد سے کوئی صورت اختیار کر لے اس لیے ضروری ہے کہ کسی بھی تخلیق کو سمجھنے سے پہلے ان چیزوں کو سمجھا جائے

اس سلسلے میں سب سے پہلے تخیل کی تفہیم کے لیے عابد علی عابد کی اسی کتاب "اسلوب" سے رجوع کرنا ہو گا ملاحظہ ہو:

> "اس وصف کو جسے تخیل کہتے ہیں اور جو شاعری کی جان ہے دریافت کیا جائے مشرق اور مغرب کے نکتہ طراز اس بات پر متفق ہیں کہ تخلیقی عمل میں جو چیز مخرج کے طور پر عمل پیرا ہوتی ہے وہ تخیل ہی ہے تخیل پیکر تراشتا ہے ان دیکھی چیزوں کے لیے علامتیں اور نشان ڈھونڈتا ہے تمثال ہائے خیالی پیدا کرتا ہے اور بات کرنے کا وہ ڈھنگ وجود میں لاتا ہے جس کے سوتے شعر کے مقام بلند تک پہنچتے ہیں"۔ (۲)

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 1, (Jan to March2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-I)urdu-08

ماخذ تحقیقی مجلہ

عابد علی عابد نے تخیل کی جو تعریف کی ہے اس کے مطابق صوت شعر اس وقت بنتا ہے جب وہ تخیل سے گزرتا ہے اگرچہ یہاں عابد علی عابد شاعری کی بات کر رہے ہیں لیکن نثری تخلیقات میں بھی یہی حقیقت دکھائی دیتی ہے کہ نثر میں بھی تخلیق کی صورت اس وقت بنتی ہے جب تخیل کی قوت عمل پیرا ہو۔ تخیل بنیادی اور ضروری عنصر تخلیق ہے اسی طرح عابد علی عابد مزاج اور تشبیہ کے متعلق لکھتے ہیں:

> "دور از فہم حقائق کے سمجھنے سمجھانے کا ایک وسیلہ کہا ہے لیکن ان کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس معاملے میں ممد و معاون ہوتا ہے نہ یہ کہ وہ بعض حقائق کے بیان کرنے کا واحد ممکن ذریعہ ہوتا ہے مطالب کے اظہار کے لیے مجازی زبان کے استعمال کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا"۔ (۳)

عابد علی عابد کے نزدیک مجاز نہایت ضروری ہے گو وہ واحد ذریعہ نہیں ہے لیکن مطالب کے اظہار کے لیے مجازی زبان کا استعمال کرنا ہی "تخلیقیت" پیدا کرتا ہے۔ استعارہ کے متعلق عابد علی عابد لکھتے ہیں :

> "یہ بات نہیں کہ استعارہ کوئی شعر کی صفت خاص ہے تخلیق نثر میں بھی ایسے مقامات ہیں بالخصوص ناول افسانے اور ڈرامے میں جہاں مجاز معنی اور بیان کو پیچھے ہٹا کر اپنی جگہ بناتا ہے ڈرامے یا تمثیل کے متعلق سید امتیاز علی تاج نے یہ بڑی پتے کی بات کہی ہے کہ اس صنف ادب کی زبان تب دوسری اصناف ادب سے مختلف ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ڈراما چند گھنٹوں کے وقفے میں نیرنگی دوراں کے مختلف مناظر آپ کے سامنے ترتیب بے زمانی کے ساتھ یوں پیش کرتا ہے کہ ایک وقفہ معین میں ڈرامے یا کھیل کا عمل ختم ہو جائے وہ بالعموم تخلیقی نثر کے اسرار و رموز پر محض قادر ہی نہیں بلکہ اس کے استعمال پر مجبور بھی ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تمثیل کی زبان تب اختصار کا تقاضا کرتی ہے اس لیے حذف و ایجاز کی تمام صفات اس صنف ادب میں موجود ہوتی ہیں یا یوں کہنا چاہیے کہ موجود ہونی چاہیے پھر یہ کہ تمثال نگار اس بات پر بھی مجبور ہوتا ہے کہ وہ ایک معین وقفے میں جو کچھ کہنا چاہتا ہے وہ اس طرح پیش کرے کہ تاثر و احساس کا زیادہ سے زیادہ رنگ دیکھنے والے تک منتقل ہو سکے"۔ (۴)

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 1, (Jan to March2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-I)urdu-08

ماخذ تحقیقی مجلہ

عابد نے گو سید امتیاز علی تاج کے حوالے سے یہ بات کہی ہے لیکن استعارہ کی اہمیت کو بیان کر دیا ہے اور اس بات کو واضح کر دیا ہے کہ یہ صرف شعری صفت خاص نہیں ہے بلکہ اس کا اظہار نثر میں بھی ہوتا ہے خصوصاً ڈرامے ناول اور افسانے میں اس کا استعمال ہوتا ہے گویا فکشن میں اس کا خاص استعمال ہوتا ہے جس کی وضاحت امتیاز علی تاج نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ کی ہے یوں تو تخلیقی عناصر میں خیال افروزی اور تصویریت وغیرہ کا بھی بہت عمل دخل ہے لیکن یہ خیال افروزی اور تصویریت انہی متذکرہ بالا صلاحیتوں یا خوبیوں کی بنیاد پر پیدا ہوتی ہیں گویا کہا جا سکتا ہے کہ کسی بھی ناول داستان یا افسانے میں اگر متذکرہ بالا صفات موجود ہیں تو وہ تخلیقیت کا اعلیٰ نمونہ بن سکتے ہیں۔ تخیل استعارہ اور دیگر فنی لوازم پلاٹ کردار مکالمہ اور زبان فکشن میں اہم حصے ہیں ان کے بغیر کوئی تخلیق ادھوری ہوتی ہے کسی تحریر میں تخلیقیت کا پیدا ہونا ناممکن ہوتا ہے۔

سائنس کہنے کو تو ایک خشک حقائق اور تحقیق کا نام ہے مگر ان حقائق کی دریافت اور تحقیق میں وہ عناصر موجود ہوتے ہیں جو تخلیق کا حصہ بن جاتے ہیں کیونکہ کسی بھی سائنسی تجربے سے پہلے تخیل کی سطح پر سوچا جاتا ہے پھر اس کے لیے کچھ مخصوص زبان کا اختیار کرنا ضروری ہوتا ہے سائنس کے تجربات میں کردار اور پلاٹ ضروری ہوتے ہیں کیونکہ کسی بھی دریافت کو معروضی صورت دینے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے لیے سب سے پہلے سائنس دان؛ معاون سائنس دان تخیل اور مخصوص زبان سے کام لیں تاکہ نتائج تک پہنچنے سے پہلے ہر چیز پردے میں رہے۔ یہ سائنس کا ایک طریقہ ہے۔ سائنس فکشن سے مراد سائنسی دریافتوں سے پہلے اور سائنسی دریافتوں کے بعد تخلیق کار داستان ناول اور افسانے ان عناصر کی مدد سے تخلیق کریں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ داستانوں میں تخیل آمیزی سے کام لیا گیا ہے پلاٹ تخلیق کیے گئے ہیں کردار موجود ہیں زبان بھی استعاراتی تشبیہاتی اور رومان آفرین ہے معنی خیزی بھی موجود ہے۔ کوئی بھی چیز تخلیقیت کا روپ دھارنے کے لیے ان عناصر سے گزرتی ہے یہاں ایک داستان ایک ناول اور ایک افسانہ کا جائزہ لیا جائے اور دیکھا جائے کہ سائنس فکشن میں ان عناصر کی موجودگی نے کیا تخلیقیت کا روپ دھارا ہے یا نہیں تو معلوم ہو جائے گا۔

سب سے پہلے ایک داستان "آبنوس کے گھوڑے کی کہانی" کا جائزہ لیتے ہیں۔

کہانی الف لیلہ سے لی گئی ہے اس کہانی میں تین حکیموں کا ذکر ہے جو اپنی اپنی دریافتوں کو بادشاہ کے دربار میں پیش کرتے ہیں جن میں ایک داستان "آبنوس کا گھوڑا" تخیل آمیز استعاراتی تخلیقی اور زبان کی چاشنی لیے ہوئے ہے اس داستان کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 1, (Jan to March2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-I)urdu-08

ماخذ تحقیقی مجلہ

"پرانے زمانے میں ایک عظیم الشان اور بڑے دبدبے والا بادشاہ تھا اس کی تین بیٹیاں تھیں جو چاند کی طرح خوبصورت اور باغ کی طرح شگفتہ تھیں اور ایک بیٹا چندے آفتاب چندے مہتاب۔ ایک دن جب کہ بادشاہ حکومت کی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا تین حکیم آئے ایک کے پاس ایک سونے کا مور تھا دوسرے کے پاس پیتل کا بگل تھا تیسرے کے پاس ہاتھی دانت اور آبنوس کا گھوڑا۔ بادشاہ نے پوچھا یہ کیا چیزیں ہیں اور ان میں کون سے فائدے ہیں مور والے نے کہا یہ مور دن رات ہر گھڑی گزرنے پر اپنے بازو پھڑ پھڑاتا ہے اور آواز دیتا ہے بگل والے نے کہا یہ بگل شہر کے دروازے پر رکھ دیا جائے تو شہر پر پہرہ دے کر بتائے گا اگر شہر میں کوئی دشمن آئے تو یہ بگل خود بخود بجنے لگے گا اور لوگ دشمن کو پہچان لیں گے اور وہ پکڑا جائے گا گھوڑے والا بولا اے میرے مولا اس گھوڑے میں یہ صفت ہے کہ اس کا سوار جہاں چاہے پہنچ سکتا ہے"۔(۵)

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس داستان میں پلاٹ کردار اور مکالمہ سبھی موجود ہیں۔ کرداروں کے مطابق زبان میں استعارہ بھی موجود ہے اور خالص تخلیقی زبان اور استعاراتی زبان ہے جو کہ تخلیقیت کے لیے ضروری ہے مثلاً اس داستان میں بادشاہ تین حکیم ایک بیٹا دو بیٹیاں اور آبنوس کا گھوڑا وغیرہ کردار ہیں اور ان کرداروں کے ارد گرد بنی گئی کہانی دلچسپ ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ بیٹیوں کو چاند کی طرح خوبصورت اور باغ کی طرح شگفتہ قرار دیا گیا ہے اور بیٹے کو چندے آفتاب اور چندے ماہتاب کہا ہے یہ استعاراتی زبان ہے اور ان کرداروں کے درمیان ہونے والی گفتگو بھی مکالماتی حسن رکھتی ہے زبان سادہ اور تخلیقی نوعیت کی ہے جس میں تمام کردار استعارے بھی رکھتے ہیں اور اپنے پس منظر میں ایک کہانی بھی رکھتے ہیں۔ مستقبل بینی مضمون آفرینی معنی خیزی بھی کمال کی ہے۔ اس میں تینوں حکیم اپنی دریافتوں اور تخلیقات کے حوالے سے جو بتاتے ہیں وہ عصر حاضر میں معروضی سطح پر ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے پوری کہانی دلچسپ ہے لیکن یہاں صرف اس داستان سے تخلیقی عناصر اور تخلیقیت کی موجودگی کو دریافت کرنا موضوع ہے جو موجود ہے۔ اسی طرح ایک ناول کا جب جائزہ لیتے ہیں تو وہاں بھی تخلیقی عناصر کی موجودگی محسوس ہوتی ہے مثلاً طفیل ڈھانہ کے ناول "کلون" کا جائزہ لیں تو اس میں تمام تخلیقی عناصر نظر آتے ہیں اس ناول کا پلاٹ کردار مکالمہ اور تخیل اعلیٰ درجے کے موجود ہیں ۔

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 1, (Jan to March2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-I)urdu-08

ماخذ تحقیقی مجلہ

"کلوننگ" کہنے کو ایک سائنسی دریافت اور سائنسی عمل ہے لیکن طفیل ڈھانہ نے اس کو ایک پلاٹ کے گرد اس طرح بنا ہے کہ ایک دلچسپ ناول بن گیا ہے اس کے کردار پروفیسر پانڈے رملہ وینس حارث اور رحمت بھی اپنی موجودگی کا احساس دلاتے ہیں. کردار حقیقی لگتے ہیں کیونکہ کسی بھی سائنس دان میں یہ تجسس موجود ہوتا ہے کہ وہ ایسی چیزیں دریافت کرے کہ جس سے خلق خدا یا دنیا کو فائدہ ہو پھر سائنس دانوں کے معاونین بھی پورا تعاون کرتے ہیں اس میں جس کہانی کو موضوع بنایا گیا ہے وہ سائنسی معلومات پر مبنی ہے لیکن اس کے باوجود تخیل کردار کا حقیقی ہونا مکالمے کی سچائی زبان کی سادگی کمال درجے کی ہے اس ناول کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> "ہم زندگی کے حقائق سمجھنے میں اچھی پیش رفت کر رہے ہیں میرے خیال میں کوڈ آف لائف کا تجربہ انقلابی کامیابی ہے پروفیسر پانڈے نے پروجیکٹر میں ٹرانسپرنسی لگائی ڈی این اے کا عکس سامنے دیوار پر لگے سفید پردے پر نمایاں نظر آرہا تھا پروفیسر پانڈے سرخ روشنی والے پوائنٹر سے ڈی این اے کی تشریح کرنے لگے اپ جانتے ہیں کہ زندگی کی پہلی صورت ڈی این اے کی شکل میں ظاہر ہوئی تھی ڈی این اے بنیادی اہمیت رکھنے والا مرکب ہے جو نیوکلیس سے سیل کو منظم اور متحرک کرتا ہے سیل کا خالق بھی ڈی این اے یہ چار ارب سال پہلے وقوع پذیر ہونے والا مظہر ہے ان کے بعد خارجی ماحول اور ڈی این اے میں جدلیاتی انٹریکشن کے سبب زندگی ارتقا کے سفر پر چلتی ہے ڈی این اے میں تبدیلی وقوع پذیر ہوتی ہے تو زندگی کی نئی شکل وجود میں آتی ہے"۔(۶)

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ ناول کے کردار کی گفتگو شخصیت کے مطابق ہے دلچسپ اور تخلیقی ہے۔ یہ گفتگو معلومات مہیا کرتی ہے اور اس طرح آگے بڑھاتی ہے کہ قاری دلچسپی سے پڑھتا چلا جاتا ہے۔ سائنس خشک اور تھکا دینے والا مضمون ہے لیکن اس ناول میں سائنس کی خشکی کو دور کر دیا گیا ہے اور خالص تخلیقی زبان دے کر ناول کو دلچسپ بنا دیا گیا ہے جس کی وجہ سے یہ تخلیقی شاہکار بن گیا ہے اس ناول میں رومان کو بھی پروان چڑھایا گیا ہے جو رملہ اور حارث کے درمیان وقوع پذیر ہوتا ہے اور ایک اہم نتیجہ مرتب کرتا ہے اس ناول میں معاشرتی اور سماجی اور طبقاتی فرق اور تعصب کو بھی نمایاں کیا گیا ہے جس کی وجہ سے یہ ناول اور بھی دلچسپ ہو جاتا ہے مثلا اس ناول کا ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو:

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 1, (Jan to March2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-I)urdu-08

ماخذ تحقیقی مجلہ

"پروفیسر فضل کریم کا بیان آیا کلون بچے کی پیدائش غیر فطری اور ناجائز ہے انسانی کلوننگ پر سخت ایکشن کی ضرورت ہے رپورٹر کے مطابق نامور سائنس دان پروفیسر فضل کریم نے بتایا ہے کلوننگ غیر فطری ہے انہوں نے کہا ہے کہ خاص طور سے انسان کی کلوننگ کے خلاف سخت ترین ایکشن لینے کی ضرورت ہے کیونکہ انسانی کلوننگ سے ہمارا معاشرہ تباہی سے دوچار ہو جائے گا ہماری اخلاقی اقدار اور مشرقی تہذیب پر کلوننگ کے منفی اثرات مرتب ہوں گے کلوننگ ہماری تہذیب پر حملہ ہے"۔(۷)

اس اقتباس سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ناول لکھنے والا اس طبقے کو بھی نمایاں کر رہا ہے جو ہمیشہ جدید ترقی اور جدیدیت کے خلاف رہا ہے جیسا کہ سر سید احمد خان کے زمانے میں سر سید احمد خان کی جدید تعلیمی سرگرمیوں کو اس عہد کے علماء نے تنقید کا نشانہ بنایا کرتے تھے یہ خالص حقیقت نگاری ہے۔ یوں کہنا چاہیے کہ اس سائنس فکشن کے حامل ناول کو اعلیٰ ترین تخلیقی ناول کہنا چاہیے اس میں سماجی اور معاشرتی شعور بھی نمایاں نظر آتا ہے اور اپنے عناصر ترکیبی کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس ناول میں تخلیقی عناصر اپنی پوری توانائی کے ساتھ موجود ہیں۔ قرۃ العین حیدر کے افسانے "روشنی کی رفتار" کا مطالعہ کریں تو معلوم ہو گا کہ سائنس فکشن میں تخیل آمیزی بھی ہو سکتی ہے اس میں کردار نگاری پلاٹ مکالمے کی خوبصورتی نمایاں ترین خوبیاں بن کر سامنے آئی ہیں ۔روشنی کی رفتار ایک ایسی کہانی ہے کہ جس میں فلیش بیک سے بھی کام لیا گیا ہے اس افسانے کا ایک کردار مس پدمامیری ابراہام کرین ہے جو ۲۹ سال کی ہے لیکن وہ ۱۹۶۶ء سے ۱۳۱۵ء قبل مسیح میں پہنچ جاتی ہے گویا ۱۳۱۵ قبل مسیح کے زمانے میں پہنچ جاتی ہے اور اس عہد کا مشاہدہ کرتی ہے۔ اس افسانے کو سمجھنے کے لیے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"راستے میں ایک جگہ ایک پتلا سا نالہ اور پل پڑتا تھا دوسری طرف سبزہ زار اور گھنا جنگل خاصی سنسان سڑک تھی اس وقت پل پر سے گزرتے وقت اس کی نظر گھاس کے میدان پر پڑی تو اسے بڑا اچھنبا ہوا ایک چھوٹا سا بیضوی راکٹ گھاس پر کھڑا عجیب سی روشنی میں دمک رہا تھا وہ سائیکل سے اتری اور نرسلوں میں گزرتی ہوئی اس کے قریب پہنچی چاروں طرف سے بغور دیکھا ایک دروازہ اندر دو سیٹیں خلا باز غائب دروازے پر ہاتھ رکھا وہ آپ سے آپ کھل گیا"۔(۸)

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 1, (Jan to March2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-I)urdu-08

ماخذ تحقیقی مجلہ

اس افسانے میں بعد میں دکھایا گیا ہے کہ مس پدما میری ابراہام کرین اس بیضوی راکٹ کے ذریعے ۱۳۱۵ قبل مسیح میں پہنچ جاتی ہے اور وہاں اس وقت فرعونوں کی حکومت ہوتی ہے وہ حیران اور پریشان رہنے لگتی ہے وہاں کی زبان سیکھ جاتی ہے گویا سائنس فکشن میں اس نوعیت کا افسانہ بھی لکھا گیا ہے جو تخیل کی مدد سے فلیش بیک کی ٹکنیک پر لکھا گیا یہ افسانہ افسانے کے کرداری اور فلیش بیک کی ٹیکنیک کی خوبصورتی کا حامل ہے اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ سائنس فکشن میں تخلیقیت اور تخلیقی عناصر موجود ہوتے ہیں اور ویسے بھی جب تک تخلیقیت اور تخلیقی عناصر نہ ہوں اس وقت تک کوئی تخلیق وجود میں آ ہی نہیں سکتی۔ جب کسی تحریر کو تخلیقی کہا جاتا ہے تو اس کا مقصد ہوتا ہے کہ وہ تخلیقی عناصر سے بھرپور ہے متذکرہ داستان ناول اور افسانے کو مد نظر رکھیں تو کہا جا سکتا ہے کہ سائنس فکشن میں تخلیقی عناصر بھرپور طریقے سے موجود ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ جب کسی بھی تحریر میں تخیل ہو اور تخلیقی عناصر موجود ہوں تو کسی بھی تخلیق کو دلچسپی عطا کر دیتے ہیں جس سے تخلیقیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ کہنا بھی بے جا نہ ہو گا کہ سائنس فکشن پر زیادہ توجہ نہیں دی گئی حالانکہ سائنس فکشن تخلیقیت کی سطح پر اعلیٰ قسم کی کہانیاں اور افسانے اردو ادب کو دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ عابد علی عابد، سید اسلوب، سنگ میل پبلی کیشن ،لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۳۳

۲۔ اسلوب، ایضاً، ص ۳۵

۳۔ اسلوب، ایضاً، ص ۴۰

۴۔ اسلوب، ایضاً، ص ۶۰

۵ ۔ محمد علی سید ، آبنوس کا گھوڑا، الفیصل ناشران، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۵۹

۶ ۔ طفیل ڈھانہ، پروفیسر ، کلون دارالشعور، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص ۵۷

۷ ۔ کلون، ایضاً ، ص ۱۹۱

۸ ۔ قرۃ العین ، سید، روشنی کی رفتار، سنگ میل پبلی کیشن ،لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۶۷